۱۵ جنوری ۱۹۷۱ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۳۰ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۱

اس شمارے میں

اداریہ

یہ کیسی جمہوریت ہے؟

(۱) ہمارے دستور میں صراحت کی گئی ہے کہ اگر کسی ریاست میں ایک قابل لحاظ آبادی ریاست کی سرکاری زبان کے علاوہ کوئی دوسری زبان بولتی ہے تو صدر اپنے حکم سے لسانی اقلیت کی زبان کو ان کاموں کے لئے جن کا حکم میں ذکر ہوگا، سرکاری زبان تسلیم کر سکتے ہیں۔ دفعہ ۳۴۷.

دستور کو نافذ ہوئے بیس برس ہو گئے، اس عرصے میں دوبار انجمن ترقی اردو ہند نے اپنے نمائندہ وفد کے ذریعہ صدر جمہوریہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ اترپردیش، بہار اور دلی میں اردو کو بھی سرکاری زبان کا درجہ ملنا چاہئے، مگر ابھی تک مرکزی حکومت نے صدر کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ وہ ایسا حکم جاری کریں، انجمن کے علاوہ دوسرے اداروں نے اور اشخاص نے صدر کو اس طرف توجہ دلائی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ایسا کیوں ہوا؟

(۲) دستور کی دفعہ ۳۵۰ الف میں صراحت کی گئی ہے کہ ہر ریاست کی حکومت اس بات کی کوشش کرے گی کہ لسانی اقلیتوں کو ان کی مادری زبان میں ابتدائی تعلیم دے۔ آخر کیا بات ہے کہ جنوبی ہند کی ریاستوں کی اقلیتوں کو اس باب میں عام طور پر ریاستی حکومتوں سے شکایت نہیں ہے، مگر شمالی ہند کی ان ریاستوں میں جہاں ہندی سرکاری زبان ہے، ریاستی حکومت کی کوششیں ایسی حقیر اور کم مایہ ہیں کہ اقلیتوں کو سخت شکایت اور بے اطمینانی ہے خصوصاً اترپردیش کی حکومت میں، جہاں ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق ۶۸ لاکھ اردو بولنے والے تھے، جواب ہر حساب سے ایک کروڑ سے زیادہ ہوں گے، آج بھی ابتدائی تعلیم اردو کے ذریعہ سے حاصل کرنے والوں کی تعداد بہار سے بھی کم ہے جہاں کی اردو بولنے والی آبادی ۱۹۶۱ء میں ۴۴ لاکھ سے زیادہ نہ تھی۔ یہ کون سی کوشش ہے اور اس بے پروائی، بے اعتنائی اور بے حسی کو کیا کہا جائے۔

(۳) سہ لسانی فارمولے کے متعلق مرکزی وزیر تعلیم یہ بات واضح کر چکا ہے کہ اس میں کسی جدید ہندوستانی زبان کو تیسری زبان کے طور پر پڑھایا جائے مگر اترپردیش کی حکومت اس پر اصرار کرتی ہے کہ وہ ساری زبانیں پڑھائی جائیں گی جن کا ذکر دستور کے آٹھویں شیڈول میں ہے تاکہ سنسکرت کی بھی گنجائش رہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لسانی اقلیتوں کے طلبہ کی مادری زبان کے لئے بھی سہ لسانی فارمولے میں گنجائش نہیں نکل سکتی۔ ہاں جب بہت چیخ پکار ہوتی ہے تو کچھ اسکولوں میں انتظام کر دیا جاتا ہے مگر نہ کتاب کا تعین ہوتا ہے نہ وقت پر استاد ملتا ہے، اس لئے جو سہولت کاغذ پر دی جاتی ہے وہ عملاً نہیں ملتی۔ اس کو کیا کہئے۔

(۴) ۱۹۴۸ء میں تعلیم کے وزیروں کی کانفرنس سفارش کرتی ہے کہ ثانوی تعلیم مادری زبان میں دینے کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۱۹۶۱ء میں بڑے وزیروں کی کانفرنس اس کی تائید کرتی ہے مگر لسانی اقلیتوں کے کمشنر کے دریافت کرنے پر اترپردیش کی حکومت کہتی ہے کہ وہ ثانوی تعلیم صرف ہندی میں دینے کی قائل ہے، یہ کیا اصرار ہے؟

(۵) اترپردیش کی حکومت ابتدائی تعلیم لسانی اقلیت کی زبان میں دینے کے اصول کو تسلیم کرتی ہے اور کہیں کہیں اس کا انتظام بھی کردیتی ہے مگر استادوں کی تربیت کے لئے کوئی تربیتی اسکول نہیں کھولتی، آخر اردو کے پرانے استاد کب تک کام آئیں گے اور اگر نئے استادوں کی تربیت نہ ہوگی تو نئے اسکولوں میں تعلیم کون دے گا۔ کیا ہندی کے استاد اردو بھی پڑھادیں گے۔ استادوں کی تربیت کے مناسب انتظام کے بغیر لسانی اقلیتوں کی زبان میں ابتدائی تعلیم کی کوشش کس طرح کامیاب ہوسکتی ہے۔ کاش کوئی ہمیں بتلائے۔

(۶) اترپردیش کے ہائی اسکول بورڈ کے قواعد میں یہ صاف لکھا گیا ہے کہ اگر کوئی طالب علم ہندی کے علاوہ انگریزی میں یا اپنی مادری زبان میں ہائی اسکول کے امتحان کے پرچوں کے جوابات لکھنا چاہتا ہے تو انسپکٹر آف اسکولس اسے اس کی اجازت دے سکتا ہے، کیا وجہ ہے کہ انگریزی میں جواب لکھنے کی تو اجازت آسانی سے مل جاتی ہے، مگر اردو میں جواب لکھنے کی اجازت حاصل کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں، آخر اس اجازت کے کیا معنی جس پر عمل کرانے میں برسوں لگ جائیں۔

(۷) جب چناؤ کا وقت آتا ہے تو ہر پارٹی اردو میں ہزاروں لاکھوں پوسٹر اور اشتہارات تقسیم کرتی ہے، مگر ووٹروں کی فہرست اردو میں چھپوانے کا سوال آئے تو حکومت بغلیں جھانکنے لگتی ہے۔ اترپردیش میں ہندی کے بعد اردو بولنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، مگر یہاں کے شہروں میں بہت کم سڑکوں کے نام اردو میں ملیں گے چناؤ کے موقع پر اردو کیوں یاد آتی ہے اور چناؤ کے بعد کیوں بھلادی جاتی ہے۔ کوئی ہمیں بتائے۔

(۸) اس کی کیا وجہ ہے کہ نہ صرف جنوبی ہند میں بلکہ مغربی بنگال میں، مہاراشٹر میں، گجرات میں اردو کے خلاف ریاستی حکومت کا رویہ بے حس کا نہیں ہے۔ دفتری نظام کی خرابیوں کی وجہ سے شکایات ضرور ہوتی ہیں۔ مگر ہندی کی ریاستوں میں یعنی اترپردیش، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان اور ہریانہ میں اردو دوستوں کو بہت شکایات ہیں بہت دنوں سے ہیں اور ان شکایات کو دور کرنے کے لئے کوئی مثبت اور قرار واقعی کوشش نہیں ہوئی ہے۔ ہاں طفل تسلیاں برابر دی جاتی ہیں، کیا دوسری ریاستوں کا جمہوریت کا تصور دوسرا ہے اور ہندی ریاستوں کا دوسرا۔ کیا کوئی ماہر فن اس تضاد پر روشنی ڈال سکتا ہے کہ ہماچل پردیش میں اردو کو بھی سرکاری طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے اور پنجاب کے ایک وزیر پنجاب میں بھی اسے سرکاری طور پر تسلیم کرانے کے لئے کابینہ میں تجویز پیش کررہے ہیں۔ مگر جہاں سب سے پہلے یہ ہونا چاہئے تھا، یعنی اترپردیش، بہار اور دہلی میں وہاں مسلسل خاموشی ہے۔ گھر والوں کی اس بیگانگی کو کیا کہیں؟

جمہوریت کی ترازو بڑی کچی ہوتی ہے وہ قول، فعل میں یکسانیت چاہتی ہے۔ وہ دو رنگی کی قائل نہیں ہوتی سچے جمہوریت پرست وہ ہوتے ہیں جن کا عمل ان کے دعووں کے مطابق ہوتا ہے۔

سراج الابرار کے متعلق معلومات درکار

شیخ علی حزیں اصفہانی، جنھوں نے نادرشاہ کے زمانے میں ترک وطن کیا اور بالآخر ہندوستان پہنچے سراج الدین علی خاں آرزو نے ان پر سخت نکتہ چینیاں کیں اور بعد میں ہندوستان کے فارسی شعرا (بہ شمول غالب) نے ان کے کلام کی بڑی قدر کی، یہاں تک کہ مرزا بیدل کی گمراہی سے بچاکر صحیح راستے پر لگانے والا قرار دیا (ملاحظہ ہو خاتمہ کلیات نظم فارسی غالب)۔ انہی شیخ علی حزیں کا ایک قلمی نسخہ سراج الابرار عشق آباد (ترکمانیہ) کے مخطوطات میں محفوظ ہے اس پر سراج الابرار بھی لکھا ہے اور منہاج الانوار بھی اور مصنف کا نام یوں ہے: علی بن علی اصبہانی غفراللہ ذنوبہ (علی حزیں)

سوال: کیا یہ کتاب ہندوستان میں محفوظ ہے؟ کیا کسی زمانے میں اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔ کیا فی الحال دستیاب ہے؟

• ظ انصاری (ماسکو)

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے ساتویں سالانہ اجلاس کی کارروائی

وزیر اطلاعات کی افتتاحی تقریر

(۱۳ دسمبر، کرنول) ریاستی وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ جناب ایس واسدیو راؤ نے آج کرنول میں انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے ساتویں سالانہ کنونشن کا افتتاح کرتے ہوئے کہا کہ میں اردو کا طالب علم ہوں، زبان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اگرچہ میری مادری زبان تلگو ہے لیکن اردو سے مجھے بے حد پیار و محبت ہے اگر کسی زبان کو یہ سمجھ کر نظر انداز کیا جائے کہ یہ کسی مذہب کی زبان ہے تو یہ اس زبان کے ساتھ ناانصافی کے مترادف ہے وزیر اطلاعات نے کہا کہ حکومت آندھرا پردیش اردو سے فراخدلانہ برتاؤ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے گی۔ انھوں نے اردو کے کارکنوں کو یقین دلایا کہ اردو کے حقوق کے لئے وہ ہمیشہ تعاون کرتے رہیں گے۔

آگے چل کر وزیر موصوف نے فرمایا کہ اردو تعلیم کے لئے ممکنہ سہولتوں سے استفادہ کا موقع دیا جائے گا ہوسکتا ہے کہ جامعاتی سطح پر تلگو تعلیم کے رواج کے باعث اردو بولنے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن ان دشواریوں کو دور کرنے کے لئے حکومت کی جانب سے اقدامات کئے جائیں گے اور اس سلسلے میں ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے گا۔

خیر مقدمی تقریر

قبل ازیں جناب شمشیر خاں صدر استقبالیہ اردو کنونشن کرنول نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں کہا کہ اردو کی ترقی اور تحفظ کے لئے اردو والوں کو آگے آنا چاہئے۔ ریاست میں اردو اور تلگو بولنے والوں کے قریبی تعلقات ہیں۔ ان کو مضبوط اور مستحکم کرنا چاہئے۔ جہاں ریاستی حکومت نے جامعاتی سطح پر تلگو رائج کرنے کا فیصلہ کیا ہے انھیں توقع ہے کہ اردو والوں کو بھی مایوس نہیں کیا جائے گا اور ان میں پیدا شدہ اندیشوں اور خدشات کو دور کیا جائے گا۔ انھوں نے اردو والوں کے اتحاد کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

خطبۂ استقبالیہ جناب مولوی حبیب الرحمٰن معتمد عمومی

حضرات، انجمن ترقی اردو (آندھرا پردیش) نے آج سے کوئی سات سال پہلے ایک روایت کی بنیاد رکھی جس کے مطابق اس ریاست میں اردو کے تحفظ و ترقی کا کام کرنے والے اصحاب سال میں ایک مرتبہ جمع ہوتے اور ایک دوسرے کے کاموں سے واقفیت حاصل کرتے ہیں نیز اردو کو درپیش مختلف مشکلات پر تبادلۂ خیال کرتے اور آئندہ طریقۂ کار کے بارے میں صلاح و مشورہ کرتے ہیں۔ سات سال کے تجربے نے اردو کے حق میں اس روایت کی عملی افادیت ہم سب پر واضح کردی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ حضرات یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رکھیں گے۔

اس سال ہم نے اس روایت میں ایک چھوٹی سی مگر خوشگوار تبدیلی کی ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں ہمارے گذشتہ تمام سالانہ اجتماع شہر حیدرآباد میں ہوئے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ ہم نے اس غرض کے لئے اپنے ایک اہم ضلع کے مستقر کا انتخاب کیا ہے اور ہمارا ساتواں سالانہ اجتماع اس تاریخی شہر کرنول میں منعقد ہو رہا ہے۔ ہم یہ ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں اور پر امید ہیں کہ ہمارا یہ تجربہ کامیاب ہوگا اور ہم اس کی روشنی میں آئندہ اجتماعات کے لئے کوئی مناسب طریقۂ عمل اختیار کرسکیں گے۔

حضرات، آندھرا پردیش میں اردو کو درپیش مسائل کا جائزہ لینا ہے میں سب سے پہلے پھر اسی پریشان کن سہ لسانی فارمولے کا ذکر ناگزیر سمجھتا ہوں۔ ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ اس بارے میں محکمہ تعلیمات کا مروجہ طرز عمل اردو بولنے والے بچوں پر بہت بڑا بوجھ بنا ہوا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے ان بچوں کو تین نہیں بلکہ چار زبانیں سیکھنی پڑتی ہیں یا پھر وہ اپنی مادری زبان ہی سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔ یوں بھی چار زبانیں سکھانے کا نتیجہ یہ ہے کہ انھیں ایک زبان بھی اچھی طرح نہیں آتی۔ دوسری طرف مختلف مضامین میں اچھی واقفیت حاصل کرنے کے لئے بھی ان بچوں کو کافی وقت نہیں ملتا۔ نتیجہ یہ کہ آگے جا کر وہ نہ زبان ہی کے ماہر ہوتے ہیں اور نہ کسی مضمون کے۔ ضرورت ہے کہ اس نامناسب صورت حال کی جلد از جلد اصلاح کی جائے۔ ہماری اس شکایت کا بعض اوقات یہ جواب دیا جاتا ہے کہ صاحب! آج کل تو کئی کئی زبانیں سیکھنے کا طریقہ تمام ترقی یافتہ ملکوں میں رواج پا چکا ہے اور موجودہ زمانے کی ترقیات کا ساتھ دینے کے لئے ہمیں اس بوجھ کو اٹھانا ہی پڑے گا۔ میرے خیال میں ہم اس قسم کا استدلال کرکے اپنے آپ کو فریب میں مبتلا کر رہے ہیں۔ امریکہ، روس، مغربی یورپ اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں بے شک کئی زبانیں سیکھنے کی طرف میلان بڑھ رہا ہے۔ لیکن آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا کہ ان ملکوں میں کئی زبانیں سیکھنے والوں کی تعداد ان کی پوری آبادی کے مقابلے میں کتنی ہوتی ہے اور پھر وہ کس منزل پر غیر زبانوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ایک دو فیصد سے زائد نہیں ہوتی اور یہ تھوڑی سی تعداد بھی بچپن ہی سے غیر زبانیں سیکھنا نہیں شروع کردیتی بلکہ اپنی مادری زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کے بعد تعلیمی زندگی کے کسی اونچے مرحلے پر خود اپنے شوق اور آئندہ اختیار کئے جانے والے پیشے کی مناسبت سے دوسری کوئی زبان سیکھتی ہے۔ دوسرے ملکوں میں یونیورسٹیوں کے خاص خاص پروفیسر، اونچے درجے کے ریسرچ اسکالر یا سفارتی سروس میں جانے والے بڑے بڑے عہدیدار غیر زبانیں سیکھنے کے معاملے میں جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، وہی طریقہ ہم اپنے ملک کے تمام طبقوں پر ان کے بچپن ہی سے جبراً لادنا چاہتے ہیں۔ آپ ہی سوچئے کہ یہ کہاں کی عقلمندی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے ماہرین تعلیم ذرا سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کریں اور کوئی ایسی راہ اختیار کریں کہ ہماری اکثر و بیشتر آبادی کو زبانوں کے اس چکر سے جلد نجات ملے۔

گذشتہ سالانہ اجتماع میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے میں نے یہ خوشخبری سنائی تھی کہ اردو میڈیم جونیر کالجوں کے تعلق سے ارباب اقتدار کے رویے میں امید افزا تبدیلی واقع ہوئی ہے اور وزیر تعلیم نے یہ اعلان کیا ہے کہ جہاں

جہاں ضرورت ہوگی اردو میڈیم کے جونیر کالج یا اردو کی متوازی جماعتیں قائم کی جائیں گی۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری یہ امید پوری ہوئی اور تلگو کے ساتھ اردو کے بھی جونیر کالج یا متوازی جماعتوں کا قیام اس سال کے دوران عمل میں آیا۔ لیکن چونکہ یہ کارروائی کسی سوچے سمجھے پلان یا غور کردہ اسکیم کے مطابق نہیں بلکہ حالات کی مجبوری اور سیاسی مصلحت کے پیش نظر بے دلی کے ساتھ عمل میں لائی گئی اس لئے اس کے بعض عجیب و غریب نتائج آج ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ مثلاً بعض مقامات پر کالج تو قائم کر دئے گئے ہیں لیکن ان میں پڑھنے کے لئے طلبہ نہیں ملے اور بعض مقامات پر طلبہ تو موجود ہیں لیکن ان کو داخلہ دینے کے لئے کالج ندارد ہیں۔ اساتذہ کی قلت کا یہ حال ہے کہ بعض صورتوں میں ایسے اشخاص مامور کر لئے گئے ہیں جن کی متعلقہ مضامین اور متعلقہ زبان میں پڑھانے کی اہلیت مشتبہ ہے۔ درسی نصابی کتابیں اول سرے سے موجود ہی نہیں ہیں کہ ان کے متعلق کوئی اظہار رائے کیا جاسکے۔ سال گذشتہ میں نے اس بارے میں جو تجویز پیش کی تھی اسے دہراتے ہوئے میں پھر حکومت سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ کم از کم جلد سے جلد ضروری رقم فراہم کرکے اردو نصابی کتابوں کی تیاری کا کام فوراً شروع کرا دے۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے موجودہ اور سابقہ اساتذہ میں اب بھی ایسے اصحاب موجود ہیں جو اگر کہا جائے تو جلد سے جلد نصاب کے متعلق کتابیں مرتب کر سکتے ہیں اور ان کی طباعت کا بھی تیزی سے انتظام کیا جاسکتا ہے۔ مزید برآں اردو کے جو جونیر کالج یا متوازی جماعتیں قائم ہوئی ہیں، وہ اکثر و بیشتر صرف علاقہ تلنگانہ میں ہیں۔ ریاست کے دوسرے علاقوں میں ابھی تک سوائے شاید دو ایک مقامات کے ان کا قیام عمل میں نہیں آیا۔ ایک ہی ریاست کے مختلف حصوں میں سکونت پذیر اردو بولنے والوں کے ساتھ اس امتیازی سلوک کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ہمیں سوچنا چاہئیے کہ کہیں خود ان علاقوں کے اردو بولنے والوں کی بے عملی، غفلت یا لاپروائی کا تو یہ نتیجہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے کہ ان مقامات کے ذمہ دار اصحاب جلد از جلد اس مسئلے کی طرف متوجہ ہوں۔

اردو میڈیم جونیر کالجوں کی حد تک تو ہمیں گرتے پڑتے کسی قدر کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اب یونیورسٹی کی سطح پر اردو میڈیم کے نفاذ کا سوال درپیش ہے۔ ابھی کوئی تین مہینے پہلے گذشتہ ستمبر میں آندھرا پردیش کی تینوں یونیورسٹیوں کے وائس چانسلروں، ڈینوں، پروفیسروں اور محکمہ تعلیمات کے بڑے عہدہ داروں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں ان تدبیروں پر غور کیا گیا جو یونیورسٹی کی سطح پر تلگو میڈیم کا آغاز کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ اس کانفرنس کی کارروائی کا کچھ حال مقامی اخباروں میں شائع ہوا۔ لیکن تفصیلات پورے طور پر معلوم نہ ہوسکیں اور نہ یہ پتہ چل سکا کہ ہمارے ان مہربانوں نے اس موقعہ پر اردو میڈیم کے متعلق بھی کچھ سوچا یا نہیں اور اگر سوچا تو پھر اس بارے میں وہ کس نتیجے پر پہنچے۔ جونیر کالجوں کے قیام کے موقعہ پر بھی ایسی ہی غیر یقینی حالت پیدا کر دی گئی جس کے ناخوشگوار نتائج کی طرف میں اوپر اشارہ کرچکا ہوں۔ یونیورسٹیوں اور محکمہ تعلیمات کے ذمہ داروں سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ تلگو کے ساتھ ہی اردو میڈیم کے نفاذ کے لئے بھی مناسب اور ضروری انتظامات شروع کر دیں اور اردو میڈیم سے انٹرمیڈیٹ کامیاب ہونے والے طلبہ کو بے یقینی اور کشمکش و پیچ کی کیفیت میں مبتلا کر کے ان کے صبر کی آزمائش نہ کریں اور ان کی طرف سے کسی نامناسب ردعمل کا سامان مہیا نہ کریں۔

حضرات، ایک اور اہم مسئلہ جو اس وقت ہمیں درپیش ہے وہ مردم شماری کا مسئلہ ہے۔ آپ غالباً جانتے ہیں کہ اب سے کوئی مہینے ڈیڑھ مہینے بعد محکمہ مردم شماری کے کارکن ایک ایک گھر پر جائیں گے اور ان گھروں میں رہنے والوں سے مختلف باتیں پوچھیں گے۔ انہی میں ایک سوال یہ بھی ہوگا کہ آپ کی مادری زبان کیا ہے اور کیا آپ اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی اور زبان بھی جانتے ہیں۔ اردو بولنے والے اس سوال کا کیا جواب دیتے ہیں اس پر آئندہ دس سال کے دوران اردو سے متعلق مختلف مسائل کے تصفیہ کا بہت کچھ انحصار ہوگا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ تمام اردو بولنے والے اس موقعہ پر پوری طرح چوکنا رہیں اور اپنی مادری زبان اردو ہی لکھائیں، ہندوستانی، ترکانا، مسلمانی یا اسی قسم کا کوئی اور نام نہ لیں۔ ورنہ غلط فہمی پیدا ہوکر اردو بولنے والوں کی تعداد میں کمی ہوجائے گی۔ اپنی زبان اردو لکھوانے کے بعد متعلقہ کارکن سے پوچھ بھی لیں کہ اس نے آپ کی زبان کیا لکھی ہے تاکہ یہ اطمینان ہوجائے کہ صحیح اندراج کیا گیا ہے۔ اردو کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ کام ہے کہ اس پیام کو صرف شہروں اور قصبوں میں نہیں بلکہ دور دراز دیہات میں بھی اردو بولنے والے ہر فرد تک پہنچائیں۔ انجمن نے اپنی مالی تنگ دامانی کے باوجود اس غرض سے کچھ پمفلٹ اور پوسٹر شائع کئے ہیں جو اسی اجتماع کے دوران آپ کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے تاکہ آپ انھیں اپنے اپنے علاقوں میں گھوم کر نہ صرف تقسیم کریں بلکہ جہاں تک ممکن ہو کے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے گروہوں کو جمع کرکے زبانی طور پر بھی اس بارے میں بات چیت کریں۔

حضرات: اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں اردو زبان کے ایک اور مسئلے کا بھی آپ سے کچھ ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ یہ ہے ہمارے رسم خط کا مسئلہ۔ ادھر چند مہینوں سے اخبارات و رسائل میں بڑی گرما گرم بحث ہورہی ہے کہ اردو کا موجودہ رسم خط ترک کر دیا جائے اور اس کی بجائے دیوناگری رسم خط اختیار کرلیا جائے۔ اوّل تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ رسم خط بدلنے کی بات بار بار صرف اردو والوں ہی سے کیوں کہی جاتی ہے۔ بنگلہ، پنجابی، تامل، تلگو، کنڑی، گجراتی اور دوسری ہندوستانی زبانیں بولنے والوں کو کیوں یہ مشورہ نہیں دیا جاتا کہ وہ بھی اپنا اپنا موجودہ رسم خط چھوڑ کر دیوناگری لکھاوٹ اختیار کرلیں۔ ان تمام زبانوں کو چھوڑ کر ساری توجہ صرف اردو کی طرف مرکوز کر دی گئی ہے اس میں درپردہ کوئی سیاسی مصلحت تو کام نہیں کر رہی ہے "ہندی، ہندو، ہندوستان" کا پرانا نعرہ اور اب چند دنوں سے ایک خاص جماعت کی طرف سے چلائی جانے والی "ہند یانے" کی تحریک اگر ہمارے ذہنوں

میں اس قسم کا شک یا بدگمانی پیدا کرتی ہے تو اس پر کسی کو تعجب نہ ہونا چاہئے۔ مزید براں دیوناگری رسم خط ایسا کہاں کا مکمل اور تمام نقائص سے پاک ہے کہ بھارت کی مختلف زبانیں بولنے والے اپنی اپنی لپیوں کو خیر باد کہہ کر دیوناگری کے پیچھے دوڑیں۔ ابھی گذشتہ ماہ کے رسالہ "شب خون" میں اردو کے مشہور اور بزرگ ادیب جناب سید مسعود حسن رضوی کا اس بارے میں ایک نہایت عالمانہ اور مدلل مضمون شائع ہوا ہے جس کے مطالعے سے اس افسانے کی حقیقت کھل جاتی ہے کہ دیوناگری لکھاوٹ ایک بے عیب لکھاوٹ ہے اور اردو رسم خط بہت ہی ناقص رسم خط ہے۔ اسی اشاعت میں پروفیسر سید احتشام حسین نے بھی اس بحث پر بہت مفید خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان مضامین کو پڑھنے کے بعد اُن گنے چنے اردو ادیبوں کو تو کم از کم رسم خط کی تبدیلی کے اس فریب سے نکل آنا چاہیے جس میں وہ مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنی تحریروں سے عام اردو بولنے والوں کو بھی پریشان خیالی اور احساس کمتری میں مبتلا کر رہے ہیں۔

ان سالانہ اجتماعات میں یہ بھی میرا ایک معمول سا ہو گیا ہے کہ خود اردو بولنے والے بھائیوں اور بہنوں کی خدمت میں ان کے اپنے فرائض کے متعلق بھی کچھ گذارشات پیش کروں۔ ایک ہی بات کو بار بار دہرانا ممکن ہے بعض طبیعتوں کو ناگوار معلوم ہو۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اردو زبان سے خود اس کے بولنے والوں کی غفلت میں کوئی نمایاں تبدیلی کے آثار نظر نہیں آتے۔ خاص کر ہمارے پڑھے لکھے اور کھاتے پیتے خاندانوں میں تو یہ غفلت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ وہ اپنے بچوں کو اردو پڑھانا ہی نہیں چاہتے۔ ان کی ساری توجہ ابھی تک انگریزی کی طرف مبذول ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ انگریزی نہ پڑھائیں۔ ہماری تو صرف یہ گذارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ان کی مادری زبان کے لکھنے پڑھنے سے محروم نہ رکھیں کیونکہ یہ اپنی زبان کے ساتھ بے وفائی کے علاوہ خود اپنے بچوں پر بھی ایک طرح کا ظلم ہے۔ ذرا سی کوشش اور توجہ سے وہ اس ظلم سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ اردو کتابیں اور اخبارات و رسائل خریدنے کا سوال ہے۔ زبان کی اشاعت و ترقی کا یہ ذریعہ بھی کھاتے پیتے اشخاص کی بے توجہی کا شکار ہے۔ دس دس روپیوں کا ٹکٹ لے کر وہ مشاعروں میں تو چلے جائیں گے لیکن دو چار روپے کی اردو کتاب یا اردو رسالہ نہیں خریدیں گے یہ ذہنیت اردو کے حق میں بڑی ہی ضرر رساں ہے۔ معاش کی طرف سے بے فکر بہت سے ایسے اشخاص ہیں جو اگر چاہیں تو اپنا کچھ وقت کسی اردو اسکول یا دارالمطالعے کی دیکھ بھال یا کچھ اَن پڑھوں کو اردو سکھانے میں صرف کر سکتے ہیں۔ لیکن ان کی طبیعت ان کاموں کی طرف مائل ہی نہیں ہوتی۔

ان باتوں کا ذکر کرنے سے میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ خواہ مخواہ مایوسی کا شکار ہو جائیں۔ اگر ہمارے روپے پیسے والے لوگ اردو کو اپنی زندگی سے نکال دینا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی زیادہ پروا نہیں ہے۔ خدا ہمارے غریبوں کو سلامت رکھے وہ اس کا جھنڈا بلند رکھیں گے اور جس طرح وہ مذہب کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں اسی طرح زبان پر آنے والی ہر مصیبت کا بھی وہ مردانہ وار مقابلہ کریں گے۔ یاد رکھیے کہ آنے والا دور بھی غریبوں کا ہی دور ہے اس لئے میں تو اردو کے مستقبل سے ذرا بھی مایوس نہیں ہوں۔ بیس برس پہلے صوبائی انجمن کی ذمہ داری سنبھالتے وقت جو صورت حال تھی اس کا مقابلہ موجودہ حالت سے کرتا ہوں تو جذبات تشکر سے میرا دل بھر آتا ہے۔ کہاں وہ حالت کہ وزیر تعلیم شری کچھ لوگ چند اردو کے اسکولوں پر اسکول بند کر دیتے سینکڑوں کی تعداد میں اردو داں اساتذہ کو برخواست کرتے اور کسی اردو کتاب کی صورت دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور کہاں یہ کیفیت کہ اردو زبان ایک ذریعۂ تعلیم کی حیثیت سے پھر عثمانیہ یونیورسٹی میں داخل ہو رہی ہے۔ باوجود ہماری کوتاہیوں اور بے عملیوں کے ہم پر یہ الطاف و عنایات! ہم اس مسبب الاسباب کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

مگر بھائیو! اردو کا اصل مسئلہ تو شمالی ہند میں طے ہونا ہے۔ وہاں ابھی تک اردو سخت خطرات میں گھری ہوئی ہے۔ سیاست بازوں نے جن میں اردو کے نام لیوا بھی شامل ہیں۔ اردو کو اپنا کھلونا بنا رکھا ہے۔ صوبائی حکومتیں تو مخالف ہیں ہی لیکن خود اردو بولنے والے لاکھوں خاندانوں نے گذشتہ بیس بائیس سال سے اپنے بچوں کو کم از کم گھروں پر ہی اردو پڑھانا چھوڑ دیا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی جیسا ادارہ بھی اردو کو اپنانے میں خوف اور جھجک محسوس کرتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ:-

"SCEPTICS DO NOT BUILD SOCIETIES;
THE IDEALISTS ARE THE BUILDERS."

حقیقت یہ ہے کہ کوئی قوم خطرات اور مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ کھو کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ میری دعا ہے کہ خدا ہمارے دلوں سے خوف و شک کو نکال دے اور ایمانی طاقت سے ہمیں سرفراز کرے۔ اسی ایمانی طاقت کا ایک کرشمہ اتر پردیش کی دینی تعلیمی تحریک ہے جس کی بدولت لاکھوں بچے پھر اپنی ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان اردو کے ذریعہ حاصل کرنے لگے ہیں۔ خدا کرے شمالی ہند کی دوسری ریاستوں میں بھی کوئی ایسی تحریک چل پڑے جس کے اثر سے اردو زبان دوبارہ اپنا جائز مقام حاصل کرے۔ اس موقع پر نگاہیں بلا اختیار مرکزی انجمن ترقی اردو کی طرف اٹھتی ہیں۔ خدا کرے کہ یہ ادارہ اپنی کام کرنے کی صلاحیتوں اور مواقع کو محسوس کرتے ہوئے اُن توقعات کو پورا کرے جو اردو بولنے والے واجبی طور پر اس سے وابستہ کئے ہوئے ہیں۔

جہاں تک حکومتوں کا تعلق ہے، ان کے طرز عمل میں بھی تبدیلی کے کچھ آثار نظر آ رہے ہیں۔ خاص کر مرکزی حکومت ہمارے دلی شکریے کی مستحق ہے کہ اس نے ترقی اردو بورڈ قائم کر کے سرکاری سطح پر اردو زبان کے ساتھ انصاف کرنے کی روایت کا آغاز کیا ہے۔ اس بورڈ میں فیصلہ کن اختیار اردو والوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اب یہ ان کا کام ہے کہ وہ اس سے بہتر سے بہتر نتائج حاصل کریں۔ اس سمع خراشی کی معافی چاہتے ہوئے اب میں آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

اردو عوامی زبان ہے

اس موقع پر جناب بھیم راؤ ایڈوکیٹ (کرنول) نے خیر سگالی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ عوام پر کسی بھی زبان کے تسلط سے وہ زبان ترقی نہیں کر سکتی۔

مغلیہ دور میں فارسی کو سرکاری زبان بنایا گیا اور انگریزوں نے انگریزی کو ہم پر مسلط کیا لیکن یہ زبانیں عوام میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکیں۔ اردو عوام کی زبان ہے اردو کو عوام کی سرپرستی حاصل ہے اسے کوئی بھی ختم نہیں کر سکتا آخر میں انھوں نے کہا کہ اردو کو مسلمانوں کی زبان کہنے والے حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس موقع پر ڈاکٹر ایل۔ گوپال ریڈی گورنر آندھرا پردیش، پروفیسر سید علی اکبر (صدر ادبیات اردو) جناب اکبر علی خاں صاحب رکن پارلیمان، جناب بھارت چند کھنہ صاحب، پروفیسر ہارون خاں شروانی صاحب کے علاوہ پرنسپل اسلامیہ کالج ورنگل نے مبارکباد اور کنونشن کی کامیابی کے لئے پیامات روانہ کئے تھے ان کو نور احمد صاحب معتمد مجلس استقبالیہ نے پڑھ کر سنایا۔

نواب میر احمد علی خاں صدر انجمن کی صدارتی تقریر

نواب میر احمد علی خاں نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اردو کے تعلق سے حکومت کا رویہ امید افزا ہے تلگو مادری زبان والے بھی اردو کی تائید اور اس کے حقوق کی حفاظت کی جد و جہد میں برابر کا حصہ لے رہے ہیں۔ انھوں نے امید ظاہر کی کہ ریاستی حکومت اردو کو اس کا جائز مقام دے گی اور اردو داں عوام میں جو تشویش اور تردد کا اظہار کیا جا رہا ہے، اس کو دور کرے گی۔ نواب میر احمد علی خاں نے کہا کہ دوسری زبانوں کے علوم و فنون کو بھی اردو میں منتقل کیا جانا چاہیے ریاست میں ۵۰ لاکھ سے زائد عوام اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اردو کو بھی تعلیمی ترقی میں پوری سہولتیں اور مواقع ملنے چاہئیں، اردو والے تلگو کو بھی سیکھ رہے ہیں اور اس میں عبور حاصل کر رہے ہیں۔ صدر انجمن ترقی اردو نے کہا کہ آئندہ تعلیمی سال سے ریاست کی تینوں جامعات کا ذریعہ تلگو قرار دیا جا رہا ہے۔ اس تعلق سے اردو والوں میں پیدا شدہ تشویش حق بجانب ہے جب تلگو کو ذریعۂ تعلیم بنایا جا رہا ہے تو اردو والوں کے لئے بھی اردو کو ذریعۂ تعلیم قرار دینا چاہیے۔ نواب میر احمد علی خاں نے سہ لسانی فارمولے کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ سہ لسانی فارمولے کو اردو والے اس طرح قبول کرتے ہیں کہ مادری زبان اردو علاقائی زبان تلگو اور تیسری زبان کی حیثیت سے انگریزی یا ہندی کے انتخاب کا موقع دیا جانا چاہیے انھوں نے محکمۂ تعلیمات کی لسانی پالیسی کو نامناسب قرار دیا اور اس کی اصلاح کی ضرورت پر زور دیا۔

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی سالانہ رپورٹ

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے کل ہند انجمن ترقی اردو کی صوبائی شاخ کی حیثیت سے ۱۹۵۰ء میں دوبارہ اپنا کام شروع کیا اور گذشتہ بیس سال سے وہ اردو زبان و ادب کی ترقی میں کوشاں ہے۔ پہلے اس کا دائرۂ عمل سابق ریاست حیدرآباد تک محدود تھا آندھرا پردیش کے قیام کے بعد سے مرہٹواڑہ اور کرناٹک کے علاقے اس سے علیحدہ ہو گئے البتہ پوری ریاست آندھرا پردیش اب اس کے دائرۂ عمل میں شامل ہے۔

اردو کی ترقی و حفاظت کے لئے انجمن مختلف طریقے اختیار کرتی رہی ہے۔ مثلاً اردو کتب خانوں اور دارالمطالعوں کے قیام کی ہمت افزائی کرنا، اردو مادری زبان والے بچوں کے سرپرستوں میں اس بات کا پرچار کرنا کہ وہ اپنے بچوں کو مادری زبان سیکھنے سے محروم نہ رکھیں، ان بچوں کے لئے اردو تعلیم کی سہولتیں مہیا کرنا، ادبی مجلسیں اور مشاعرے منعقد کرنا، اردو میں مفید کتابوں کی اشاعت کا انتظام کرنا اور ریاستی حکومت اور اس کے متعلقہ محکموں کو اردو بولنے والوں کی ضروریات اور مطالبات سے باخبر رکھنا۔

اپنی ان کوششوں اور بے لوث خدمات کی بدولت انجمن نے آندھرا پردیش کے تمام اردو بولنے والوں کی ایک نمائندہ تنظیم کی حیثیت حاصل کر لی ہے اور اس کی مقامی شاخیں ساری ریاست میں پھیلی ہوئی ہیں یہ شاخیں جن کی تعداد ۵۰ تک پہنچ گئی ہے صوبائی شاخ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اردو کی بقا و تحفظ کی جد و جہد میں مصروف ہیں شاخوں کے صدور و معتمدین اور دوسرے کارکن سال میں ایک مرتبہ حیدرآباد میں جمع ہوتے، اپنے کاموں کا جائزہ لیتے، ایک دوسرے سے تبادلہ خیال کرتے اور حالات حاضرہ کے پیش نظر آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔

انجمن ہی کی کوششوں سے اردو ہال ٹرسٹ، مرکزی اردو کتب خانہ، ریزیڈنشل اردو کالج اور اردو آرٹس کالج جیسے مفید اور اہم ادارے وجود میں آئے اب یہ ادارے اپنے اپنے دستور کے تحت اور اپنے مالی وسائل کے مطابق آزادانہ طور پر کام کر رہے ہیں اور ان کی اپنی الگ عمارتیں بھی بن گئی ہیں یا زیر تعمیر ہیں۔

انجمن نے اس دوران میں چند مفید کتابیں بھی شائع کی ہیں جن میں دو ڈکشنریاں بھی شامل ہیں (ایک اردو۔تلگو اور دوسری تلگو اردو) جن کی ترتیب میں خاص کر اردو مادری زبان والے طلبہ کی ضرورت کو پیش نظر رکھا گیا ہے، ایک اور قابل ذکر کتاب "تلگو ادب کی تاریخ" ہے جس کے مطالعے سے اردو زبان والوں کو تلگو زبان و ادب کی ترقی اور موجودہ حالت سے ضروری واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایسی تصانیف کا اصل مقصد اردو اور تلگو بولنے والوں کو ایک دوسرے سے قریب لانا ہے۔

انجمن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اردو بولنے والوں کو ان کی روزمرہ زندگی میں زبان کی بنا پر جو مشکلات پیش آتی ہیں اور سرکاری کاروبار میں اردو کو نظر انداز کرنے کے باعث جو شکایات پیدا ہوتی رہتی ہیں ان سے حکومت کو واقف کرائے اور ان شکایات کو رفع کرنے کی طرف متوجہ کرتی رہے۔ چنانچہ ۱۹۶۹ء کے دوران میں صرف محکمۂ تعلیمات میں اس قسم کی ۲۶ نمائندگیاں کی گئیں۔ ....

۱۹۶۹ء کے دوران اردو بولنے والوں کے مطالبات کے لئے عوامی تائید حاصل کرنے کی غرض سے ایک دستخطی مہم شروع کی گئی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ کم از کم ایک لاکھ دستخط حاصل کرکے ایک محضر کی صورت میں انھیں حکومت کے پاس پیش کیا جائے لیکن تلنگانہ تحریک کے زور پکڑ جانے کے باعث اس مہم کو بند کرنا پڑا۔

یکم ستمبر ۱۹۶۹ء سے علاقۂ آندھرا میں جب تلگو میڈیم جونیر کالجوں کا آغاز کیا گیا تو انجمن کا ایک وفد ڈپٹی چیف منسٹر اور وزیر تعلیم سے ملا اور علاقہ آندھرا کے ان مقامات پر جہاں اردو بولنے والوں کی قابل لحاظ آبادی ہے، اردو میڈیم کے جونیر کالج یا متوازی جماعتیں قائم کرنے کی طرف ان کی توجہ منعطف کرائی۔ لیکن افسوس ہے کہ ہماری یہ کوشش کامیاب نہیں ہوئی اور علاقہ آندھرا کے کسی مقام پر (سوائے کرنول کے) اردو میڈیم کا انتظام نہیں کیا گیا۔ لیکن انجمن اس صورت حال سے مایوس نہیں ہوئی بلکہ اردو کے مطالبے کے لئے رائے عامہ کو منظم کرنے کا کام جاری رکھا اور دوسری طرف وزارت تعلیم کو اردو والوں کے اس شدید مطالبے سے برابر مطلع کرتی رہی۔ چنانچہ جب علاقہ تلنگانہ میں جونیر کالج قائم ہونے لگے تو ان میں اردو میڈیم کی بھی جماعتیں کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔ آئندہ سال کی رپورٹ میں یہ بتایا جاسکے گا کہ اس فیصلے کو کس حد تک عملی جامہ پہنایا گیا۔ البتہ اردو والوں کی یہ شکایت بدستور باقی رہی کہ اردو میڈیم کے طلبہ کے لئے نصابی کتابوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔

سال زیر تبصرہ میں حکومت ہند کے مقرر کردہ لسانی اقلیتوں کے مددگار کمشنر نے حیدرآباد کا دورہ کیا اور انجمن کے وفد کو ملاقات کی دعوت دی چنانچہ ۲۷ راکتوبر ۱۹۶۹ء کو انجمن کا وفد جس میں معتمد کے علاوہ عابد علی خاں صاحب، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ اور سری نواس لاہوٹی صاحب شامل تھے، دفتر معتمدی کے لائبریری ہال میں مددگار کمشنر سے ملا۔ اس موقعہ پر بی۔ اے۔ ڈی اور محکمہ تعلیمات کے چند عہدہ دار معہ اپنے عملے کے موجود تھے۔ آندھرا پردیش میں اردو کے تعلق سے مختلف شکایات اور مسائل پر تقریباً تین گھنٹے گفتگو رہی۔ دوسرے روز مددگار کمشنر صاحب کے اعزاز میں انجمن کی طرف سے ایک عصرانہ ترتیب دیا گیا جس میں ریاست کی دوسری لسانی اقلیتوں کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ مددگار کمشنر صاحب نے میدک اور نظام آباد میں بھی نمائندگان اردو سے ملاقات کی اس موقعہ پر سری نواس لاہوٹی صاحب بھی موجود تھے۔

مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم کی قائم کی ہوئی اردو مجلس بدستور اپنا کام کررہی ہے اس مجلس کے زیر اہتمام اس سال کے دوران (۹) ادبی جلسے منعقد ہوئے۔ نواب لطیف علی خاں صاحب اس مجلس کے سکریٹری ہیں اور ان ہی کی مساعی سے اس کا کام خوش اسلوبی سے انجام پارہا ہے جس کے لئے موصوف ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس کے علاوہ تین تعزیتی جلسے منعقد ہوئے: ایک ۳ مئی ۱۹۶۹ء کو صدر جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے انتقال پر، دوسرا ۲۸ اگست ۱۹۶۹ء کو مشہور شاعر اور ٹریڈ یونین لیڈر مخدوم محی الدین کے انتقال پر اور تیسرا ۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء کو اردو کے شاعر خورشید احمد جامی کے انتقال پر۔

۱۲ اپریل ۱۹۶۹ء کو مانچسٹر یونیورسٹی کے صدر شعبۂ فارسی جناب باتل کے اعزاز میں ایک عصرانہ ترتیب دیا گیا اور دوسرے روز اردو ہال میں موصوف نے "عمر خیام" کی شاعری پر اپنا مقالہ پڑھا جس کی صدارت صدر شعبۂ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی محترمہ رضیہ اکبر بیگم نے کی۔

۲۷ نومبر ۱۹۶۹ء کو پروفیسر اختر اورینوی صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی کے اعزاز میں عصرانہ ترتیب دیا گیا۔ اس موقع پر موصوف نے جدیدیت کی تحریک پر اظہار خیال کیا۔

۴ جنوری ۱۹۷۰ء کو جناب فخرالدین علی احمد صاحب وزیر حکومت ہند کے اعزاز میں عصرانہ ترتیب دیا گیا۔ موصوف نے کافی دیر تک انجمن کے اراکین اور اردو کے کارکنوں سے تبادلہ خیال کیا۔

حسب سال ہائے گزشتہ اس سال بھی انجمن کے دفتری کام اور سرکاری محکموں اور مقامی شاخوں سے مراسلت کی ساری ذمہ داری جناب سری نواس لاہوٹی صاحب پر رہی۔ دفتری نظم و نسق کے علاوہ موصوف نے اضلاع کا دورہ کرکے متعدد مقامی شاخوں کا معائنہ کیا اور انھیں مفید مشورے دئے۔ میں اس تعاون پر لاہوٹی صاحب کا دل سے شکر گزار ہوں۔

تقریریں

اس موقع پر ڈاکٹر حسینی شاہد پرنسپل اردو آرٹس کالج حیدرآباد نے اپنی تقریر میں کہا کہ آزادی کے بعد حکومت نے کبھی بھی اردو کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی ترقی پسند ہونے کے باوجود اردو کے مسائل اور جائز مطالبات کو حل نہیں کرسکی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو مسلسل نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اس کے مطالبات پر توجہ نہیں کی جارہی ہے۔ لسانی اقلیتوں کو اپنے مطالبات کے حصول کے لئے متحد ہو کر جدوجہد کرنا چاہئے۔ ڈاکٹر حسینی شاہد نے کہا کہ صرف کانفرنسیں کرنے، قراردادیں پیش کرنے سے مسائل حل نہیں ہوتے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ اردو والے لائحہ عمل ترتیب دیں اور ایک منظم پروگرام کے ساتھ آگے بڑھیں۔ شری عابد علی خاں ایڈیٹر روزنامہ سیاست نے کہا کہ اردو کے تحفظ اور ترقی کے لئے اردو فنڈ قائم کیا جائے تاکہ اردو کی جمہوری تحریک مستحکم انداز میں آگے بڑھائی جائے۔ انھوں نے کہا کہ اگر اردو والے اپنے لسانی شعور کا اظہار کرتے ہوئے مردم شماری کے وقت مادری زبان اردو لکھوائیں اور شمار کنندگان کے کام پر گہری نظر رکھیں تو اس سے تعلیم اور نظم و نسق میں اردو کو حقیقی موقف دلانے میں بڑی مدد ملے گی۔ انھوں نے اردو فنڈ میں اپنی طرف سے (۵۰۱) روپیہ کا اعلان کیا۔ شری منوہر راج سکسینہ ایڈوکیٹ نے کہا کہ اردو جیسی زبان کو جو سیکولر اسپرٹ رکھتی ہے،

دستوری حق سے محروم کرنا صریحاً ناانصافی ہے۔ شری اسماعیل قریشی (عادل آباد) نے کہا کہ ضلع وار مشاعروں سے اردو فنڈ جمع کیا جاسکتا ہے اس کے علاوہ ہر گھر سے ایک فرد سے ایک روپیہ جمع کیا جائے انھوں نے اردو جونیر کالجس کے سلسلہ میں انجمن ترقی اردو اور اردو طلبہ کی جدوجہد کو سراہا۔ شری کرشنا چاری ایڈوکیٹ میدک نے کہا کہ اردو کو طاقت کے زور پر کوئی ختم نہیں کرسکتا اس لئے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ شری مرزا جمیل احمد بیگ (حیدرآباد) نے کہا کہ مردم شماری کے سلسلہ میں گہری چوکسی ضروری ہے تاکہ اردو مادری زبان والوں کی طاقت گھٹائی نہ جاسکے۔ ڈاکٹر سید عبدالمنان نے کہا کہ مشترکہ جدوجہد کے ذریعہ اردو فنڈ کو کامیاب بنایا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر رضی الدین صدر شعبۂ اردو وینکٹیشور یونیورسٹی نے کہا کہ اردو تجارت کا یا معاشی آمدنی کا ذریعہ نہیں۔ اردو کا کام ایک بنیادی و مقصدی کام ہے اردو ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا ایک ناقابل تقسیم جز ہے انھوں نے اردو فنڈ کی تجویز کو نیک یدہ قرار دیا۔ شری سید رحمت علی سابق ڈپٹی میئر حیدرآباد نے کہا کہ تحریک آزادی کو "انقلاب زندہ باد" کا نعرہ دینے والی زبان آج دانستہ یا نادانستہ طور پر پیچھے ڈھکیلی جارہی ہے۔ لیکن اردو کا مزاج سرکاری و درباری مزاج نہیں۔ بلکہ عوامی مزاج ہے۔ پردھان منتری شریمتی اندرا گاندھی سے لیکر مکھیہ منتری آندھرا پردیش نے بھی عملاً اردو جمہوری حقوق کے لئے کچھ نہیں کیا چنانچہ اردو کے حق میں جو سرکاری احکامات جاری ہوئے ہیں ان پر بھی کوئی عمل نہیں ہوتا۔ انھوں نے اردو کے لئے سرکاری احکامات کی عمل آوری کی نگرانی رکھنے کے لئے سکریٹریٹ میں ایک سکریٹری کے تقرر پر زور دیا۔ شری مرزا وحید بیگ ایڈوکیٹ (نظام آباد) نے کہا کہ جو جماعتیں اردو کا ذکی عملاً تائید کریں۔ انھیں عام چناؤ میں ووٹ دیئے جائیں۔

کرنول میں اردو اساتذہ کے مشاورتی اجتماع کے مباحث اور فیصلے

انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام کرنول میں منعقدہ اردو کنونشن کے سلسلہ میں ۱۲ دسمبر کی صبح میں دس بجے اردو کے اساتذہ کا مشاورتی اجتماع منعقد ہوا جس میں (۱۲۶) اساتذہ نے شرکت کی اجلاس کی صدارت جناب نظیر پاشا نے کی۔ مشاورتی اجتماع اسلامیہ کالج کے عبدالحق ہال میں منعقد ہوا۔ اس کے کنوینر جناب عبدالاحد تھے۔ مباحث میں جناب رزاق فاروقی (کرنول)، جناب علی احمد جلیلی (محبوب نگر)، جناب اے۔ کے محمود (اننت پور)، سعادت علی (جوگی پیٹ)، حبیب حسن خاں (کرنول)، پیر نظامی (اننت پور)، محی الدین انصاری (راجمندری)، محمد حیات (کڈپہ)، عبدالکریم (نیلور)، عبدالرشید (کڈپہ)، عبدالرؤف و سید حسین (مغربی گوداوری)، عبداللہ خاں، محی الدین، دلاور خاں، مسعود احمد، افضل، آغا اور دوسروں نے حصہ لیا۔ اکثر مقررین نے سائنسی اصطلاحات کے اردو ترجمہ میں یکسانیت پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ جناب علی احمد جلیلی نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اردو اساتذہ کے تبادلوں کی صورت میں ان کی جگہ غیر اردو داں مدرسین کو مامور کیا جاتا ہے۔ مسعود مخدوم نے نصابی کتب کی ترتیب میں بچوں کی نفسیات کا لحاظ رکھنے پر زور دیا۔ جناب عابد علی خاں صاحب مدیر سیاست نے اساتذہ کو مشورہ دیا کہ وہ موجودہ ماحول میں اردو کی خدمت گذاری ہی کو اپنا صلہ اور معاوضہ سمجھیں جناب مقبول احمد حسینی نے پی۔ ایچ ڈی کے مقالے اردو میں لکھنے کی اجازت دینے کا مطالبہ کیا۔ پیر نظامی نے انجمن ترقی اردو سے خواہش کی کہ وہ اردو کی درسی کتب کی تیاری کی ذمہ داری قبول کرے۔ درویش قادری نے اردو کے لئے خصوصی ڈپٹی انسپکٹر کے تقرر کا مطالبہ کیا۔ جناب حبیب الرحمٰن جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش نے اس امر کی وضاحت کی کہ آندھرا کے علاقہ کے مدارس میں جمعہ کی تعطیل ختم کرنے کی کوئی تجویز انجمن نے پیش نہیں کی۔ ۱۱ دسمبر کی رات میں انجمن ترقی اردو کی عاملہ کا اجلاس زیر صدارت جناب احمد علی خاں صدر انجمن منعقد ہوا اور اس میں کنونشن میں پیش کی جانے والی قراردادوں کو قطعیت دی گئی۔ معتمد تنظیمی جناب سرینواس لاہوٹی نے اس اجلاس میں تنظیمی رپورٹ پیش کی۔ کنونشن کے مندوبین کو امکانی آسائش اور سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے صدر مجلس استقبالیہ جناب بی شمشیر خاں اور جناب محمد ابراہیم خاں صدر انجمن ترقی اردو کرنول دن رات مصروف تھے سارا شہر کرنول اردو کا مرکز معلوم ہورہا تھا سڑکوں پر جگہ جگہ خیر مقدمی جھنڈے لگائے گئے تھے ایک بینر پر "زبان کا کوئی مذہب نہیں" کی عبارت درج تھی۔ ایک اور بینر پر اردو والوں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ تختہ مردم شماری کے مادری زبان کے خانہ میں "اردو" لکھائیں۔ ایک اور بینر پر درج تھا

"اردو ہندو مسلم سکھ عیسائی سب کی زبان ہے"

انجمن ترقی اردو کی مردم شماری مہم کیلئے عطیات کی وصولی

حیدرآباد: ریاستی انجمن ترقی اردو کی جانب سے مردم شماری مہم کے استحکام اور مالیہ کی فراہمی کے سلسلہ میں صدور و معتمدین انجمن کے اجلاس میں جو اردو کنونشن کے سلسلہ میں کرنول میں منعقد ہوا مختلف مقامی شاخوں نے اپنے عطایئے کا اعلان کیا۔ ان کے علاوہ ڈاکٹر سید عبدالمنان نے (۱۰۰) روپے، جناب عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست (۱۰۰) روپے، جناب اسمٰعیل قریشی ایڈوکیٹ عادل آباد (۱۰۰) روپے، مسرس محمد بن صالح (جڑچرلہ) نے (۲۰۰) روپے، زمہوان چاری، محمد حسین سنگاریڈی نے (۵۵) روپے، محمد لطیف علی (نانڈیڑ) (۲۵) روپے، عبدالحبیب عیاں۔ نارائن پیٹ (۵۰ روپے)، کڈپہ اور نیلور کی مقامی انجمنوں نے بھی (۱۰۰)، (۱۰۰) روپے اور جناب سید حمید مرزا نے (۵۰ روپے) کے عطیے کا اعلان کیا۔ جناب رزاق فاروقی لکچرار عثمانیہ کالج نے انجمن طلبہ کی طرف سے مردم شماری فنڈ میں (۱۰۰) کتب کا عطیہ دیا۔

کرنول اردو کنونشن کا مشاعرہ

کرنول اردو کنونشن کے سلسلہ کا آخری پروگرام مشاعرہ ہوا۔ پروفیسر محمد حسین پرنسپل عثمانیہ کالج نے مشاعرہ کی صدارت کی جناب حکیم یوسف حسین خاں اس محفل شعر کے مہمان خصوصی تھے۔ مشاعرہ کا آغاز مولوی محمد حسین صاحب کے

صدارتی خطاب سے ہوا جس میں انھوں نے مشاعرے کو اردو تہذیب کی ایک تابندہ علامت کا نام دیا۔ حیدر آباد کے مہمان شعرا جناب سعید شہیدی، علی احمد جلیلی، جاندار، افسر، منوہر لال بہار اور میسور کے مہمان شاعر علی مرد کے علاوہ آندھرا پردیش کے مختلف اضلاع سے تعلق رکھنے والے شعرا بھی شامل تھے۔

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے ساتویں سالانہ

اجتماع میں منظورہ قرار دادیں

قرارداد ۱

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ اس بات کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے کہ علاقہ تلنگانہ میں تلگو جونیر کالجوں کے ساتھ ساتھ اردو کے جونیر کالجوں یا متوازی جماعتوں کا قیام بھی عمل میں آیا ہے۔ لیکن یہ بات باعث تشویش ہے کہ ان میں سے اکثر مقامات پر ابھی تک اساتذہ کا تقرر نہیں کیا گیا ہے اور نہ اردو میں نصابی کتابیں تیار کرنے کی طرف کوئی توجہ کی گئی ہے۔ جس سے طلبہ میں بڑی پریشانی پھیلی ہوئی ہے اس کے علاوہ تلنگانہ کو چھوڑ کر ریاست کے دوسرے علاقوں میں سوائے ایک دو مقامات کے اردو میڈیم کے جونیر کالج ابھی تک قائم نہیں ہوئے ہیں۔ لہذا یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ

(۱) جن مقامات پر اردو میڈیم کے جونیر کالج یا متوازی جماعتیں ابھی تک قائم نہیں ہوئی ہیں وہاں بلا تاخیر ان کا قیام عمل میں لایا جائے۔

(۲) اردو میں ضروری نصابی کتابیں مہیا کی جائیں۔

(۳) جونیر کالجوں میں اردو ذریعہ تعلیم کے اساتذہ کے جلد تقررات کئے جائیں۔

قرارداد ۲

ڈگری کورس میں تلگو میڈیم جاری کرنے کی غرض سے آندھرا پردیش کی تینوں جامعات میں ضروری کارروائی شروع کر دی گئی ہے جو ایک مناسب اقدام ہے لیکن اس بات کا کوئی علم نہ ہو سکا کہ اس سطح پر اردو میڈیم جاری کرنے کی طرف بھی کوئی توجہ کی جا رہی ہے یا نہیں۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ یونیورسٹی کی سطح پر بھی تلگو کے ساتھ ساتھ اردو میڈیم جاری کرنے کی غرض سے ضروری اقدامات کرے اور اس بارے میں جلد از جلد ایک واضح اعلان کرے تاکہ اردو میڈیم سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کرنے والے طلبہ کو اپنی آئندہ تعلیم کے متعلق کسی بے یقینی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس میں کافی تعداد میں اساتذہ مامور نہیں کئے جاتے اور جو کئے بھی جاتے ہیں ان میں سے اکثر ضروری قابلیت نہیں رکھتے۔ نیز ان مدارس کے تعلیمی حالات کی تنقیح اور معائنہ کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے۔ اس لئے اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس میں گذشتہ کئی سال سے سرکاری امتحانات کے نتائج انتہائی خراب نکل رہے ہیں۔ اس صورت حالی کے پیش نظر انجمن ترقی اردو کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ محکمہ تعلیمات سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اردو ذریعہ تعلیم کے مدارس میں پائے جانے والے ان نقائص کو فوری دور کرنے کی طرف توجہ کرے تاکہ طلبہ کو ان نقائص کے مضر اثرات سے نجات مل سکے۔

حکومت ہند نے دوسری علاقائی زبانوں کی طرح اردو کی ترقی و اشاعت کے لئے بھی ایک کروڑ روپے کی رقم مختص کی تھی۔ دوسری زبانوں کے لئے مختص رقمیں تو ان زبانوں کی ریاستی حکومتوں کے حوالے کر دی گئیں، لیکن اردو کے لئے منظور کردہ رقم کا تصفیہ فوراً نہ ہو سکا۔ اس لئے کہ اردو کی اپنی کوئی ریاست نہیں ہے۔ بالآخر حکومت نے مرکزی وزارت تعلیم کے تحت ایک ادارہ ترقی اردو بورڈ کے نام قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اردو زبان میں یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے نصابی کتابیں، بچوں کے لئے موزوں کتابیں، عام سائنسی معلومات کی کتابیں حوالے کی کتابیں، انسائیکلوپیڈیا وغیرہ تیار کرے۔

انجمن ترقی اردو (آندھرا پردیش) کا یہ جلسہ حکومت ہند کے اس اقدام کو بہ نظر استحسان دیکھتا ہے اور متوقع ہے کہ ترقی اردو بورڈ بلا غیر ضروری تعویق کے اپنے فرائض انجام دے گا۔

قرارداد ۳

انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ ریاست کے تمام اردو بولنے والوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ آئندہ مردم شماری میں جو بہت جلد ہونے والی ہے اپنی مادری زبان اردو ہی لکھوائیں اور اس کے لئے ہندوستانی یا کوئی اور نام استعمال نہ کریں۔ تاکہ اردو بولنے والوں کا شمار کسی اور زبان کے بولنے والوں کے ساتھ نہ ہو جائے۔ نیز وہ یہ بھی اطمینان کر لیں کہ مردم شماری کے کارکن نے ان کی زبان کا صحیح اندراج کر لیا ہے۔

جن لوگوں کی مادری زبان اردو نہیں ہے لیکن وہ اردو بول چال سے بھی واقف ہیں، ان سے یہ جلسہ اپیل کرتا ہے کہ" دوسری کوئی



زبان کے خانہ میں اردو لکھوائیں۔

قرارداد نمبر ۴

چند روز سے ملک کے بعض اخبارات اور رسائل میں اردو رسم خط کے بارے میں ایک غیر ضروری بحث چھڑی ہوئی ہے اور اردو کے بعض ادیب مختلف عوامل کے زیر اثر اردو رسم خط کے نقائص اور دیوناگری لکھاوٹ کی خوبیاں گناتے ہوئے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ اردو زبان والے اپنا رسم خط ترک کرکے دیوناگری لپی اختیار کرلیں۔ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ رسم خط کی تبدیلی کو اردو کے حق میں زہر قاتل تصور کرتا ہے اور ان ادیبوں کی اس حرکت کی پرزور مذمت کرتا ہے۔

قرارداد نمبر ۵

انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ عثمانیہ یونیورسٹی سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ بی۔اے کے طلبہ کی طرح بی۔ایڈ کے طلبہ کو بھی امتحانی سوالات کے جوابات اردو میں لکھنے کی سہولت فراہم کرے۔

قرارداد نمبر ۶

انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ ساؤتھ سنٹرل ریلوے اور سدرن ریلوے کے ارباب مجاز سے درخواست کرتا ہے کہ وہ دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ ریلوے اسٹیشنوں کے بورڈ پر اردو کو بھی جگہ دے تاکہ اردو داں مسافرین کو کوئی دقت پیش نہ آئے

قرارداد نمبر ۷

انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ محکمہ تعمیرات سے مطالبہ کرتا ہے کہ میل کے پتھروں (MILESTONES) پر دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی جگہ دی جائے تاکہ اردو داں سفر کرنے والے بھی ان نشانات سے مستفید ہوسکیں۔

قرارداد نمبر ۸

انجمن ترقی اردو کے کارکنوں کا یہ جلسہ آندھرا پردیش روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن سے مطالبہ کرتا ہے کہ بسوں کے بورڈ پر نیز اضلاع کی بس اسٹینڈ پر لگائے جانے والے اعلانات دوسری زبانوں کے ساتھ اردو میں بھی لکھے جائیں تاکہ اردو داں مسافرین کی مشکلات رفع ہوں۔

قرارداد نمبر ۹

انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ اس بات پر اپنے قلق خاطر کا اظہار کرتا ہے کہ مجلس بلدیہ حیدرآباد سے رفتہ رفتہ اردو کو ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کی وجہ سے صرف اہل غرض بلکہ بلدیہ کے اردو داں ملازمین کی تشویش فطری ہے اس لئے یہ جلسہ بلدیہ کے ارباب مجاز سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اردو کے موقف کو متاثر نہ ہونے دیں تاکہ ملازمین کے ساتھ ساتھ اہل معاملہ کو بھی کوئی دشواری اور تکلیف پیش نہ آئے

قرارداد نمبر ۱۰

اردو میڈیم کے امتحانی پرچوں کی بر سر موقعہ جانچ ایسے اساتذہ سے بھی کروائی جاتی ہے جو بہت کم اردو جانتے اور اردو میڈیم کے پرچوں کی جانچ کی پوری اہلیت نہیں رکھتے جس کی وجہ سے اردو طلبہ کے نتائج انتہائی مایوس کن ہوتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کے کارکنوں اور ہمدردوں کا یہ جلسہ ارباب متعلقہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ اردو میڈیم کے پرچوں کی جانچ صرف اردو زبان کے ایسے اساتذہ سے کرائی جائے جو متعلقہ مضامین اردو زبان میں پڑھاتے ہوں۔

قرارداد نمبر ۱۱

انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ محکمہ تعلیم حکومت آندھرا پردیش سے مطالبہ کرتا ہے کہ اردو کے ابتدائی مدارس کے اساتذہ کو جدید طرز تعلیم سے واقف کرانے کے لئے REFRESHERS COURSE کا انتظام کرے جس طرح سے انگریزی کے اساتذہ کے لئے کیا جاتا ہے تاکہ اردو کی ابتدائی تعلیم عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوسکے۔

قرارداد نمبر ۱۲

اردو کے کارکنوں اور ہمدردوں کے اس جلسے کا خیال ہے کہ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے مالیہ کے استحکام اور اردو تعلیم، ترقی اور ترویج و اشاعت کے منصوبوں کی بجا آوری کے لئے اردو فنڈ کے قیام کی مہم شروع کی جائے۔

یہ جلسہ صدر اور معتمد انجمن کو مجاز گردانتا ہے کہ وہ اردو فنڈ کے قیام کے لئے ایک لائحہ عمل مرتب کریں اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے فوری کارروائی شروع کردیں۔

قرارداد نمبر ۱۳

پرائمری اور ہائی اسکولوں کی جماعتوں کے لئے جو نصابی کتب مہیا کی گئی ہیں ان میں کئی نقائص پائے جاتے ہیں۔ سرکاری طور پر شائع ہونے والی کتابوں میں ایسے نقائص کا پایا جانا کسی لحاظ سے بھی مناسب نہیں سمجھا جاسکتا۔ ضرورت ہے کہ محکمہ تعلیمات جلد از جلد اس مسئلے کی طرف متوجہ ہو اور اس غرض کے لئے معتبر ماہرین اردو کی خدمات سے استفادہ کرے۔

قرارداد نمبر ۱۴

انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ سری وینکٹیشورا یونیورسٹی سے درخواست کرتا ہے کہ پوسٹ گریجویٹ سنٹر اننت پور میں دوسرے مضامین کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے۔

قرارداد نمبر ۱۵

انجمن ترقی اردو کا یہ جلسہ محکمہ ڈاک کے ارباب مجاز سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہر ضلع کے مستقر پر جو ریلوے میل سروس (RAILWAY MAIL SERVICE) قائم ہے اس میں اردو سے واقف اہل کار کو بھی متعین کیا جائے تاکہ جن خطوط پر اردو میں پتہ لکھا ہوا ہو انھیں جنرل پوسٹ آفس حیدرآباد بھیجنے کے بجائے وہیں پر اس کا ترجمہ ہوسکے اور خطوط کی فوری تقسیم عمل میں لائی جاسکے۔

(باقی صفحہ ۱۲ سے آگے)

جماعتیں اور مفاد پرست افراد اپنے سیاسی مقاصد کا آلۂ کار تو بناتے ہیں مگر کوئی اس کی بقا، اور ترقی کے معاملے میں مخلص نظر نہیں آتا خود اردو کے ادیب اور علما اس زبان کو اپنی معاش یا شہرت کا وسیلہ تو سمجھتے ہیں، مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اگر اس زبان کو زندہ رکھنے کی وہ کوشش نہ کی گئی جو اس کا حق ہے، تو معاش اور شہرت بہت دن ان کا ساتھ نہیں دے گی.

اردو کی طرف سے بے توجہی اور اس کے علمی سرمایے سے ناواقفیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ہمارے بیشتر ادیب اور اردو تحریک کے قائدین بھی جامعہ عثمانیہ کے کام اور تجربے کا ذکر حقارت و تضحیک کے ساتھ کرنے لگے ہیں جامعہ عثمانیہ کے مرحوم ہونے کے بعد یہ ایک فیشن سا ہو گیا ہے کہ وہاں کی کتابوں اور ترجمے کا ذکر اس طرح کیا جائے جیسے تمام کے تمام تراجم کی زبان ناقابلِ فہم اور پوری کی پوری اصطلاحات از کار رفتہ ہو چکی ہیں۔ جب وہ لوگ بھی جو پڑھے لکھے سمجھے جاتے ہیں، جامعہ عثمانیہ کی کتابوں کا مذاق اڑاتے ہیں تو مجھے نہ صرف یہ احساس ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اپنے علم اور زبان دانی کے غلط زعم میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کی زحمت ہی نہیں کی بلکہ اردو پر بھی رحم آتا ہے کہ جس زبان کے ہمدرد اس کے علمی سرمایے کا مطالعہ کرنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتے، اس کا علمی مستقبل کیا ہوگا؟!

علمی زبان اور اصطلاحات کے بارے میں یہ تصور بھی غلط اور لاعلمی پر مبنی ہے کہ اسے بول چال کی زبان کے قریب ہونا چاہیے۔ علمی اصطلاحات بازاروں، عام مجمعوں اور گھروں میں عام طور سے نہیں بولی جاتیں، انگریزی کی علمی اصطلاحات اور زبان بھی ایسی عام فہم نہیں کہ اسے ہر شخص سمجھ سکے. انگریزی میں مختلف علوم کی بیشتر اصطلاحات یونانی اور لاطینی الاصل الفاظ سے مشتق ہیں۔ جب ہمارے طلبہ اور اساتذہ جن کی انگریزی سے واقفیت کا معیار کچھ ایسا اونچا نہیں، ان اصطلاحات کو اس لئے سمجھ لیتے ہیں کہ انھیں ان کے معانی علم کے مطالعے میں سمجھائے ہیں تو پھر اردو کی علمی اصطلاحات (خواہ وہ فارسی اور عربی الاصل الفاظ سے ہی کیوں نہ بنائی گئی ہوں) سمجھ میں آسکتی ہیں بشرطیکہ انھیں ان کے مخصوص علم کے سیاق و سباق میں پڑھا اور استعمال کیا جائے۔ علمی زبان علوم کے ماہرین اور طلبہ کے لئے ہوتی ہے بازار اور کاروبار کے لئے نہیں۔ انگریزی کی علمی زبان بھی صرف مخصوص علوم کے ماہرین یا طلبہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ فلسفے کے ایک عالم کے لئے حیاتیات کی اصطلاحیں اتنی ہی اجنبی ہوتی ہیں جتنی ایک عام آدمی کے لئے۔ اصطلاحات بول چال کی زبان کا جز اپنے عام رواج سے بنتی ہیں۔ اردو میں علمی کتابوں کے لکھنے پڑھنے کا رواج عام ہو جائے تو بیشتر اصطلاحات بھی خود بخود بول چال میں شامل ہو سکتی ہیں۔ لیکن اصطلاحات کو بول چال کی زبان سے اخذ نہیں کیا جاسکتا۔ جامعہ عثمانیہ میں جن حضرات نے اصطلاح سازی کا کام کیا وہ نہ صرف ماہرینِ علوم تھے بلکہ فارسی اور عربی کے ساتھ اردو زبان کے بھی ماہر اور رمز داں تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وحید الدین سلیم کی آسان پسندی کی وہاں زیادہ پذیرائی نہیں ہوئی اگر ایسا ہوتا تو آج اردو کے حق میں موجودہ کام کے لئے بہتر زمین تیار ملتی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو کچھ کام ہوا ہے وہ سب کا سب بیکار ہے۔ آج جب ہم اصطلاحات بنانے بیٹھتے ہیں تو اکثر صورتوں میں عثمانیہ کی بنائی ہوئی اصطلاحات کو جوں کا توں قبول کرنے پر مجبور ہیں صرف ان اصطلاحات کے معاملے میں جن کا نسبتاً آسان بدل مل سکتا ہے یا بنایا جاسکتا ہے ہم عثمانیہ کی نسبتاً مشکل اصطلاحات ترک کر سکتے ہیں۔ لیکن ایسی مثالیں بہت کم ہوں گی۔ اسی طرح علمی زبان کو بھی آسان بنانے کی کوشش تو کی گئی ہے مگر یہ امید رکھنا کہ ہم اسے بول چال کی زبان بنا دیں گے، علمی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے معترضین سے میری گزارش یہ ہے کہ وہ پہلے غور و فکر سے مختلف علوم کے تراجم کا مطالعہ کریں اور پھر یہ سوچیں کہ کیا اس سے بہتر ترجمہ واقعی ممکن ہے؟ فلسفے میں جس کا مجھے براہِ راست علم ہے، خلیفہ عبدالحکیم، مولانا عبدالباری ندوی، ڈاکٹر میر ولی الدین، رشید موہن لال، ڈاکٹر وحید الدین، پروفیسر صلاح الدین، مولوی احسان احمد اور مرزا ہادی رسوا کے تراجم پر اضافہ کرنے والے آج کتنے ہیں؟ اس میں شک نہیں کہ بعض تراجم اردو میں انتہائی غیر ذمہ داری سے کئے گئے جیسے مرزا ہادی رسوا ایسے زبان کے سچے ادیب کا ترجمہ "تجربۂ انفعالی"۔ اس ترجمے کو بجا واقعی ہونے تیر لانا ہے مگر اس کا بہتر اور معیاری زبان میں انتہائی شستہ ترجمہ بھی موجود ہے جو ڈاکٹر ذاکر حسین نے کیا تھا۔ خراب ترجموں کی تعداد اچھے اور معیاری ترجموں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔ ہم ترجمے میں جن کتابوں کو مثالی اور معیار بنا سکتے ہیں ان کی بڑی تعداد موجود ہے۔ اگر ہم نے غیر ذمہ داری سے کام لے کر ان ترجموں کو معدوم سمجھ لیا تو یہ اردو کی بدقسمتی ہوگی۔ میرا خیال ہے کہ نہ صرف فلسفہ اور نفسیات بلکہ تمام سماجی علوم تاریخ، سائنسی علوم حتیٰ کہ طب اور انجینئرنگ تک میں ہم جامعہ عثمانیہ کے ترجموں سے آج بھی کام لے سکتے ہیں ہمیں کہیں زبان کو آسان اصطلاحات کو UP TO DATE کرنے کی ضرورت پڑے گی۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہیے کہ آج کتنے افراد اس کام کے اہل ہیں کہ وہ اردو کے علمائے سابق کی زبان اور ترجمے کی اصلاح، آج کی زبان کی روشنی میں کر سکیں؟ جامعہ عثمانیہ نے اردو کے علمی کام کے لئے جو بنیاد فراہم کی ہے، اسے نظر انداز کرنا اپنے حق میں دشمنی ہے۔ کسی اور ہندوستانی زبان کا علمی سرمایہ آج بھی آزادی کے بعد کے برسوں کی پوری کوشش کے باوجود شاید ہی اتنا وسیع ہو جتنا اردو کا۔ اور یہ صرف جامعہ عثمانیہ کا فیضان ہے۔ ہم اسی بنیاد پر اردو کے مستقبل کا قصر تعمیر کر سکتے ہیں۔ اس زمین کو بیکار سمجھ کر نئی اور بنیاد ڈالنے کی کوشش میں جو قوت، صلاحیت اور وقت ضائع ہوگا اس کی تلافی ان نامساعد حالات میں ممکن نہ ہو سکے گی۔ کسی کام پر تنقید کرنا آسان ہے، اس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم خود اس طرح کا کام کرنے بیٹھیں۔

جامعہ عثمانیہ مرحوم ہونے کے باوجود مستقبل کی علمی زبان کی اساس بننے کی آج بھی اہلیت رکھتی ہے۔

وحید اختر

میرا صفحہ

جامعہ عثمانیہ ہندوستان اور پاکستان کا واحد علمی ادارہ ہے جس نے آزادی سے قبل ایک ہندوستانی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنایا اور نہ صرف آرٹس اور سائنس بلکہ طب، انجینئرنگ اور دوسرے پیشہ ورانہ مضامین کی اردو کے ذریعہ تعلیم و تدریس میں نمایاں کامیابی بھی حاصل کی۔ جامعہ عثمانیہ نے دار الترجمہ کے ذریعے مختلف علوم کی معیاری کتابوں کے سینکڑوں تراجم بھی شائع کئے۔ یہ نہ صرف اردو بلکہ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ آزادی کے بعد اس عظیم الشان تجربے کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا اور عثمانیہ میں انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنا کر اردو کے ساتھ بھی ظلم کیا گیا اور ایک کامیاب تعلیمی تجربہ گاہ کو ختم کر کے علم اور تہذیب کے ساتھ بھی ناانصافی کی گئی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر یہ تجربہ کسی اور زبان میں کیا گیا ہوتا تو اس کے ساتھ یہ رویّہ اختیار نہ کیا جاتا۔ اردو کے خلاف تعصب اور تہذیبی تنگ نظری کا جو سلسلہ اب تک جاری ہے، جامعہ عثمانیہ کا خاتمہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے۔ جامعہ عثمانیہ اب بھی باقی ہے، مگر وہ جامعہ عثمانیہ جس نے ایک شاندار تجربہ کیا تھا، اور جو ہمارے ملک میں تہذیب کی ایک شاندار روایت کی علامت بن سکتی تھی، مرحوم ہو چکی۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہوا کہ دار الترجمہ کی وہ ہزاروں کتابیں جو ذریعۂ تعلیم کی تبدیلی کے بعد نذر طاق نسیاں ہو چکی تھیں ارباب انتظام کی مجرمانہ غفلت کے باعث جل کر خاکستر ہو گئیں۔ گویا ہماری قومی بے حسی اور علمی تنگ نظری نے قومی زبان میں تعلیم کے تجربے کو "مردہ سمجھ کر" تعصب کے ہاتھوں اس کی چتا بھی جلا ڈالی۔ اور ہم سب اپنے نزدیک اس مردے کے فرض سے فارغ ہو کر بیٹھ رہے۔ بدنصیب ہے وہ قوم جو علم کے معاملے میں لسانی تعصب اور تنگ نظری کو اپنا شیوہ بنائے اور اپنے تہذیبی ورثے کے صالح، توانا، پائدار امکانات سرمایے کو غارت کر کے اپنی تہذیب دوستی اور علم پروری کا اشتہار دیتی پھرتی ہے۔ اس قوم کا ذہنی مستقبل کیا روشن ہو سکتا ہے جو زندہ قوتوں کو قبر میں دفن کر دے اور مردہ دقیانوسی اقدار و تصورات کی لاش کو سینے سے لگائے رہے۔ اردو ہمارے مشترکہ قومی کلچر کا عظیم ترین عطیہ اور اس کا بہترین ثمرہ ہے۔ مرحوم جامعہ عثمانیہ کی بازآوری اور بقا نہ صرف ہماری تہذیب بلکہ علمی مستقبل کی بھی ضمانت تھی۔ جامعہ عثمانیہ کو ماضی قرار دے کر اب قومی زبانوں میں تعلیم کے تجربے کا آغاز کرنا اندھیرے میں روشنی تلاش کرنے کی کوشش کے سوا کچھ بھی نہیں۔

خوش قسمتی سے اس وقت پھر ایک بار اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کا موقع حکومت ہند نے فراہم کیا ہے۔ اس سلسلے میں مثبت قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ دوسری زبانوں کے ساتھ اردو میں کتابوں کے ترجمے اور اشاعت کے لئے ایک کروڑ روپیہ بھی دیا گیا ہے اور وزارت تعلیم (حکومت ہند) نے اس کام کی تکمیل کے لئے ترقی اردو بورڈ بھی قائم کیا ہے۔ اس بورڈ نے مختلف علوم میں ترجمے کا کام یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو تفویض کر دیا ہے اور ساتھ ہی علمی اصطلاحات کے لئے مختلف کمیٹیاں بنا کر اصطلاح سازی کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔

پچھلے ۲۴ برس میں اردو لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد ہی کم نہیں ہوئی، بلکہ اس زبان میں علمی کام کا معیار بھی پہلے سے پست ہو گیا ہے۔ جب ہمارے اردو کے طلبہ، ریسرچ اسکالر اور اساتذہ زبان کی نزاکتوں اور مزاج سے ناواقف ہوتے جا رہے ہیں تو یہ امید کرنا کہ اردو میں مختلف علوم پر لکھنے والے پیدا ہوں گے بنجر زمین سے فصل اگانے کی امید کے مترادف ہے۔ کوئی زبان محض افسانے، ناول اور شاعری کے سہارے ترقی نہیں کر سکتی، زندہ زبانیں علمی زبانیں بھی ہوتی ہیں۔ ناساعد حالات نے ان افراد کو بھی جو اردو میں مختلف علوم پر لکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں، ہماری جامعات کی کوتہ چشمی اور انگریزی پرستی کی وجہ سے اردو کی طرف سے مایوس کر دیا ہے اور ان کے قلم کا رُخ پھیر دیا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں علمی کتابوں کا اچھی زبان میں ترجمہ کرنے والے بہت مشکل سے ملیں گے، اسی طرح اردو میں، مختلف علوم پر اوریجنل اور عہد حاضر سے انصاف کرنے والی کتابیں لکھنے والے بھی کم کم ہی نظر آئیں گے۔ ترقی اردو بورڈ کو اچھی، علمی، باوقار اور بامحاورہ زبان میں ترجمے کرانے اور کتابیں لکھوانے میں بہت دقتِ نظر سے کام لینا پڑے گا، ورنہ یہ اندیشہ ہو سکتا ہے کہ ایک بار پھر اردو کو علمی زبان بنانے کا جو موقعہ ملا ہے، وہ بھی اکارت نہ جائے۔

اردو میں علوم پر کتابیں لکھوانے اور ترجمہ کروانے کا کام بامعنی اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ کچھ جامعات جراتِ رندانہ سے کام لے کر اس مظلوم زبان کو اپنا ذریعۂ تعلیم بنائیں۔ جامعہ عثمانیہ سے یہ امید کرنا کہ وہ آسانی سے اردو کا چھینا ہوا حق واپس دے گی خیالی دنیا میں رہنا ہے۔ اس حق کے لئے جد و جہد کی دشوار گزار راہ سے گزرنا پڑے گا اور آندھرا کے ارباب اقتدار کو بھی کشادہ دلی سے کام لینے پر آمادہ کرنا ہوگا۔ البتہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور جامعہ ملیہ سے اردو ذریعہ تعلیم کو اختیار کرنے کا مطالبہ ہر طرح سے جائز ہے اگر ان جامعات نے بھی اردو کو اختیار نہ کیا تو پھر ہمیں اردو کلچر اور اس سے اپنی زندگی کی وابستگی کی دہائی دینا ترک کر دینا چاہئے۔

اردو کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس زبان کو فرقہ پرست

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ و پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کرپن پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع کیا
REGD. NO. L-922 فون نمبر ۲۹ R.NO. 2186/57